اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۳۷۱، سال ۲۰۲۴ء

اردو منظوم سفر نامے کی روایت اور نئے امکانات

ثمینہ گل، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس
عابدہ شاہین
ایم فل اسکالر (اردو)، یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس

THE TRADITION AND NEW POSSIBILITIES IN URDU POETIC TRAVELOGUES

Samina Gul, PhD
Assistant Professor of Urdu
University of Lahore, Sargodha Campus

Abida Shaheen
MPhil Scholar (Urdu)
University of Lahore, Sargodha Campus

Abstract

Poetry in Urdu literature begins with Musnawi. Masnawi refers to a continuous poem in which both stanzas rhyme in each verse.All kinds of topics can be adapted in Masnavi. In the past, ethical, religious, and historical themes were made part of Masnavis, in which natural scenes, society, customs, human emotions, and feelings were described. The Masnavis of Nizami Ganjavi and Amir Khusro strengthened the poetic tradition of Urdu literature.In this regard, the Masnavi writer sometimes made an imaginary and sometimes a real journey a part of the Masnavi, so the elements of the travelogue are found in the ancient Masnavis, which later led to the organized travelogue. Where modern technology has had its profound effects on other literary genres, the travelogue could only be left with being affected. With the help of digital cameras, foreign scenes are introduced in the form of pictures along with words. Different channels of Television Center have shown Pakistan.

Keywords: Poetry, Urdu Literature, Masnavi, Pakistan.

اردو ادب میں شاعری کا آغاز مثنوی سے ہوتا ہے، مثنوی سے مراد ایسی مسلسل نظم جس کے ہر شعر میں دونوں مصرے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اور تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔ مثنوی میں ہر طرح کے موضوعات کو موزوں کیا جاسکتا ہے۔ ماضی میں اخلاقی، مذہبی اور تاریخی موضوعات کو مثنوی کا حصہ بنایا گیا، ان میں قدرتی مناظر، معاشرت، رسم و رواج، انسانی جذبات و احساسات کو بیان کیا جاتا تھا۔ نظامی گنجوی اور امیر خسرو کی مثنویوں نے ہی اردو ادب کی شعری روایت کو مضبوط کیا۔ قدیم مثنوی کے مضامین میں ایک خاص ترتیب رکھی گئی ہے۔ سب سے پہلے چند اشعار حمدیہ اور نعتیہ پھر بادشاہ کی تعریف کی جاتی ہے اس کے بعد اصل قصہ یا داستان کو پیش کیا جاتا۔ قصے یا داستان کی دل چسپی کو برقرار رکھنے کے لیے سفری واقعات کو بھی مثنویوں کا حصہ بنایا گیا، اس سلسلے میں مثنوی نگار نے کبھی تخیلاتی اور کبھی حقیقی سفر کو مثنوی کا حصہ بنایا، اس لیے قدیم مثنویوں میں سفر نامے کے عناصر ملتے ہیں جو بعد میں منظوم سفر نامے کا باعث بنے۔ بادشاہوں کی فتوحات کے قصے، جنگ نامے اور شکار نامے کی مثنویوں میں حقیقی سفر نامے کے عناصر نمایاں ہوئے اور منظوم سفر نامے کا خد و خال تشکیل پایا۔ اردو ادب میں ولی دکنی کو پہلا صاحب دیوان شعر مانا جاتا ہے۔ ولی کے ادبی کارنامے کثیر الجہات ہیں۔ ان کی شاعری اس عہد کے رویے اور حیات انسانی کے تقاضوں کو نمایاں کرتی ہے۔ ولی دکنی کا عہد عالمگیر کا عہد (۱۷۰۷۔۱۶۲۶ء) تھا، اس دور میں گجرات ودکن سیاسی، افراتفری، سماجی و مذہبی خلفشار موجود تھا۔ ولی نے گجرات، احمد آباد، اور سورت کا سفر کیا اس سفر کا حال ان کی مثنویات سے ملتا ہے۔ ولی دو مرتبہ دلی آئے ۱۷۰۰ء اورنگ زیب کے زمانے میں شاہ سعد اللہ گلشن سے ملاقات ہوئی، دوسرا سفر محمد شاہ (۱۷۱۷۔۱۷۴۸ء) کے عہد سلطنت میں ۱۷۲۱ء میں کیا تھا۔ ولی دکنی (۱۶۶۷۔۱۷۰۷ء) کی شاعری نے جنوبی ہند سے شمالی ہند تک سفر کیا تو اردو شاعری کو نئی جہت ملی، غزل کے موضوعات بدلنے لگے، ان کے موضوعات میں سفر نے اہم کردار ادا کیا ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

> ”ولی اور اورنگ آباد جب گھر آنگن بنے تو ولی بھی ۱۱۱۲ھ / ۱۷۰۰ء میں سید ابو المعانی کے ہمراہ دلی کے سفر پر روانہ ہوا جس میں سعد اللہ شاہ گلشن سے ملاقات ہوئی اور اردو ادب کا وہ تاریخ واقعہ پیش آیا جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زبان و ادب کا رخ بدل دیا۔ ولی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شمال کی زبان کو دکنی ادب کی طویل روایت کے ساتھ ملا کر ایک کر دیا اور ساتھ ساتھ فارسی رچاوٹ سے اس میں اتنی رنگا رنگ آوازیں شامل کر دیں اور امکانات کے نئے سرے اُبھارے کہ آئندہ دو سو سال تک اردو شاعری انھی امکانات کے ستاروں سے

روشنی حاصل کرتی رہی اسی لیے ولی آئندہ دوسو سال کی شاعری کے نظام شمسی کا وہ سورج ہے جس کے دائرہ کشش میں اردو شاعری کے سارے سیارے گردش کرتے ہیں"(۱)

امکانات کی دنیا کو روشن کرنے والے ولی نے شعری موضوعات کو بھی نیا رخ دیا عشق و محبت سے جڑے موضوعات نے حقیقی روپ اختیار کیا ،اور داخلیت میں خارجیت کے عنصر کو جلا ملی۔ واقعہ نگاری میں تسلسل اور حقیقی بیانیے کو تقویت ملی اس عہد میں سفر نامے کے عناصر نمایاں ہونے لگے۔ولی دکنی نے عہدِ عالمگیر میں ایک مثنوی لکھی جو ان کے دیوان میں شامل ہے **مثنوی سورت** نے عنوان سے لکھی گئی یہ مثنوی جس کے سنتالیس اشعار ہیں۔ یہ واقعات کے تسلسل کے علاوہ مناظر کا حقیقی بیان عمارات و بستی کا ہو بہ ہو نقشہ اور طرز معاشرت کو مشاہداتی انداز میں بیان کیا گیا ہے:

عجب شہر میں ہے پُر نور اک شہر
بلاشک ہے وہ جگ میں مقصودِ دہر
رہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے جس کو دیکھے سب کدورت(۲)

ولی نے دلی اور آگرہ میں سیر وسیاحت کی غرض سے بھی سفر کیا اور حج بیت کی زیارت کو بھی گئے اور ان کے ساتھ دیگر شعرا نے بھی سفر کیا ولی سے پہلے محمد قلی قطب شاہ(۱۵۶۵۔۱۶۱۲ء)، غواصی(۱۶۲۰۔۱۶۶۲ء)، وجہی (۱۵۶۶۔۱۶۵۹ء)، عبداللہ قطب شاہ(۱۵۶۵۔۱۶۱۲ء)، علی عادل شاہ (۱۶۳۸۔۱۶۷۴ء) کے دیوان آ چکے تھے ان تمام شعراء کے یہاں بھی سفر کرنے کے مشاہدات منظوم صورت میں موجود ہیں۔"ولی صحیح معنوں میں جہاں گرد شاعر تھا۔ تعلیم کے سلسلے میں اس نے احمد آباد کا سفر کیا۔ خاندانی تعلقات اسے اورنگ آباد کا سفر کرنے پر مجبور کرتے رہے۔ علم کی تلاش میں وہ برہان پور نکلا اور ایک مرتبہ اس نے سورت کا سفر بھی کیا سورت شہر کو وہ زندگی بھر نہ بھول سکا اور مسلسل یاد کرتا رہا۔ولی نے سورت شہر کے واقعات میں اس کی عمارات کے نقشوں کے علاوہ اس کی معاشرت کو بھی بیان کیا ہے:

اتی آتش پرستاں کی ہے بستی
سکھے نمرود واں آتش پرستی

فرنگی اس سے پاتے ہیں کلہ پوش
عدو وہاں گنتی میں ہے بے ہوش(۳)

بہ قول تبسم کاشمیری ہندوستان کے جنوبی مغربی ساحل پر عہدِ ولی میں سورت کی وہی حیثیت تھی جو عہد غالب (۱۸۰۰ـ۱۸۳۰ء) میں ہندوستان کے مشرقی ساحل پر کلکتہ کی تھی۔ سورت اس دور میں تجارتی بندر گاہ تھا۔ اس میں بین الاقوامی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں ہندوستانی اور مغربی خواتین کو آزادی سے گھومنے پھرنے کی اجازت تھی۔ نادر شاہ (۱۶۸۸ـ۱۷۴۷ء) کے حملوں نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو سودا اڈٹے رہے انھوں فرخ آباد میں ہی اپنی مشق سخن کو جاری رکھا، مگر سیاسی نتشار نے سودا کو بھی ہجرت کے لیے مجبور کر دیا انھوں نے فرخ آباد سے فیض آباد کی طرف کارخ کیامرزا رفیع سودا کے ساتھ عبادت گزار بزرگ تھے، بزرگ کے ساتھ ان کے مرید بھی تھے، کسی مرید نے بزرگ کا عصا سنبھال رکھا تھااور کوئی مور چھل اٹھائے ہوئے تھا کسی نے پیک دان پکڑ رکھا تھاتو کسی مرید نے رومال۔ ایک قافلے کی صورت میں سب فیض آباد کی طرف روانہ ہوئے توراستے میں ڈاکوؤں نے آگھیر اوہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے، سودا نے حسب مزاج طنزیہ اشعار کہے جس میں سفر نامے کے عناصر موجود تھے:

پیادے کس طرح کاٹتے یہ راہ
عصاگر رہ گیا پاس ان کے سو آہ
نظر کر بعد غارت راہ کا رنج
لگے کرنے دل میں اپنے شش و پنج
نہ زادِ راہ پاس ان کے نہ مرکب
اب ان کے عزمِ کعبے کابند ہے کب(۴)

اس بے سر وسامانی میں حج کاارادہ ملتوی کر دیاتو سودا نے پھر یوں کہا:

پر اس حال میں گھر کیوں کر جاؤں
بھلا واں جاکے منہ کس کو دکھلاؤں(۵)

پھر مریدوں کے ساتھ مل کر یہ طے پایا کہ واپس چلا جائے واپسی پہ ایک منزل پہ قیام کیا تو بزرگ نے سودا سے داستان سنانے کی فرمائش کی یہاں سودا نے جو داستان سنائی وہ تخیلاتی عشق و محبت کی داستان تھی

اس قصے میں تخیلاتی سفر بھی شامل تھا۔ خدائے سخن میر تقی میر (۱۷۲۳۔۱۸۱۰ء) کو زمانے نے اپنا استاد تسلیم کیا۔ میر کے اشعار ان کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں ۔ ان کی آشفتہ سری جو انھیں آگرہ سے دہلی لے گئی ان کے منظوم سفر نامے کی بنیاد بنی۔ میر نے اپنی زندگی میں متعدد سفر کیے، مگر ان کا پہلا سفر جو (۳۵۔۱۷۳۴ء) میں ہوا اس سفر نے ان کی شاعری اور فن پر لافانی اثرات چھوڑے۔ میر کے ۱۷۳۴ء سے ۱۷۸۶ء تک ستائیس اسفار کی معلومات ملتی ہیں۔ ان اسفار میں میر کی شاعری میں زمانے کے نشیب و فراز آئے اور ان سفروں میں میر نے اپنے زمانے کی خانہ بربادیوں کا ذکر کیا، ان کی شاعری میں مشاہدات شامل ہوگئے، ان حالات نے میر کی غزل کو تقویت بخشی۔ اس کے بعد مرزا اسد اللہ خان غالب کی زندگی بھی سفری اثرات سے خالی نہیں ہے غالب کے سفروں میں بھی کلکتہ کا سفر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سفر انھوں نے پنشن کے رُک جانے کے بعد جائیداد کی بحالی اور پنشن کی بازیابی کے لیے کیا اس سفر نے غالب کی شاعری میں جمالیاتی تاثرات کو خاصاً متاثر بنا۔ لکھنو میں غالب کے ذوق اور شاعری میں نکھار آگیا ۔ بنارس شہر کی دل کشی اور رنگینی نے انھیں ایسا بے خود کیا ، کہ ایک سو اکسٹھ اشعار کی روح پرور مثنوی **چراغ دیر** لکھ ڈالی بنارس کو انھوں نے " بہشت بادِ مخالف" "نگارستان گیتی" دیرستان نیرنگ، اور بہارستان کو حسن لا ابالی سے تشبیہ دی، کلکتہ میں حسینانِ فرنگ کی اداؤں پر فریفتہ رہے۔ غالب کے مزاج کے مطابق کلکتہ سرور و مستی کا چلن تھا، اس سفر کے دوران انھیں مختلف شہروں میں ٹھہرنے کا موقع ملا جس سے ان کے مشاہدے میں وسعت آتی۔ کلکتہ کی جدید عمارتیں نئی ٹیکنالوجی کا، ہندوستان میں آغاز غالب کے لیے خوشگوار تجربہ تھا۔ سفر کلکتہ کو غالب کا تاریخی اور یادگار سفر کہا جاسکتا ہے۔ غالب کے چند اشعار جو انھوں نے کلکتہ کے سفر نامے کے طور پر تحریر کیے:

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنین بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے(۶)

غالب نے بھی اپنی غزل میں کلکتہ کے رہن سہن اور اس عہد کی روایات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اس وقت کلکتہ میں فرنگی موجود تھے۔ بنارس کی حسیناؤں کی رنگینی مزاج نے غالب کو رہنے کا موقع دیا

تو انھوں نے اس کا اظہار اور سوچ میں نکھار آ گیا۔ مرزا غالب (۱۷۹۷۔۱۸۶۹ء) کے ہونہار شاگرد الطاف حسین حالی(۱۸۳۷۔۱۹۱۴ء)، جن کا شمارہ اردو زبان و ادب میں ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ ان کی بھی ستر سالہ زندگی سفر سے خالی نہیں ہے۔ انھوں نے بھی دہلی، لاہور، علی گڑھ، حیدرآباد اور دکن جیسی مختلف موقعوں پر سفر کیے ہیں اور انھی سفری کیفیات کا اظہار سفری نظموں میں کیا ہے۔ ''محب وطن'' اور ''سیر کشمیر'' حالی کی ایسی نظمیں ہیں جن میں انھوں نے اپنی سفر کے مشاہدات کے تاثرات بیان کیے۔

لکھے جب تک جیئے سفر نامے
چل دیے ہاتھ میں قلم تھامے
گو سفر میں اٹھائے رنج و ملال
کردیا پر وطن کو اپنے نہال(۷)

اس طرح وہ اپنی نظم ''سیر کشمیر'' میں کشمیر کی وادیوں کی سیر کرانے میں کشمیر کی آب و ہوا کے لحاظ سے کشمیر کے برف پوش بہار اور خوب صورت وادیوں کی سیر کراتے ہیں۔ یہاں کے پھول، پھل اور خشک میوہ جات کا ذکر کرتے ہیں۔ حالی اپنی نظم میں کشمیر کی تہذیب رہن سہن اور طور طریقوں کو بھی اپنی نظم کے ذریعے متعارف کرائے ہیں:

ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکان بہرِ مکیں
چوٹیاں پر بت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی
جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرے دار(۸)

منیر شکوہ آبادی(۱۸۱۴۔۱۸۸۰ء) قادر الکلام شاعر تھے وہ استاد شاعر ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نواب بہادر علی خان کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ منیر شکوہ آبادی نے باندے سے انڈیمان تک کا سفر کیا اور راستے میں ایک طویل نظم خود نوشت کے طور پر لکھی ان کا یہ منظوم سفر نامہ فرخ آباد کو خیر باد کہنے اور باندہ میں قید ہونے پر لکھا گیا۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گالیاں تھیں کھانے کو یا زخم و داغ
تھا یہ حاصل مطبخ تقدیر سے

ننگی تلواریں کھنچی تھی گردنیں
نوکیں سنگینوں کی بدتر تیر سے
بے حواس و بے لباس و بے دیار
دل گرفتہ جور چرخ پیر سے(۹)

منیر شکوہ آبادی نے اپنے سفر نامہ میں ایک قیدی کی زندگی کی تصویر کشی کی ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت اس عہد (۱۸۵۷ء) کی ٹوٹتی تہذیب اور انگریز کی غلامی اور قیدی زندگی کو بیان کیا ہے، منیر شکوہ آبادی نے قید کے بعد رہائی پر نظم "مراجعت وطن" لکھی جس میں قید سے چھوٹ جانے اور گھر واپس آنے کی خوشی کو بیان کیا ہے۔ اسماعیل میرٹھی (۱۸۴۴۔۱۹۱۷ء) کا تعلق غالب کے شاگردوں میں سے ہے انھیں نظموں میں کمال حاصل ہوا۔ ان کی مقبولیت کی وجہ انگریزی نظموں سے ترجمہ ہے۔ ان کی نظموں سے ترجمہ نگاری کو نئی راہ ملی، اسماعیل میرٹھی نے اردو میں سب سے پہلے آزاد نظم مقفّیٰ کو رائج کیا ان نظموں میں نیا پن، کشش ہے۔ اسماعیل میرٹھی نے ان نظموں کے ذریعے اردو زبان میں بے قافیہ اور بلینک ورس کو مقبول کیا۔ وہ نئی تہذیب سے بیزار نہیں تھے بل کہ وہ جدید علوم کے دل دادہ تھے۔ انھوں نے جدید سائنسی اور نئی قدروں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور اپنی شاعری میں اس کی جھلک دکھائی۔ ان کا نام بچوں کے ادب کی وجہ سے نمایاں ہے۔ انھوں نے بچوں کو نصیحتیں کیں اور بچوں کی نظموں میں منظر نگاری کی۔ اسماعیل میرٹھی نے اپنی نظموں میں پالتو جانوروں کو بھی موضوع بنایا۔ انھیں ایک بار پہاڑی علاقے میں جانا پڑا "کوہِ ہمالہ" ان کی سفری نظم ہے جس میں برسات کے موسم میں پہاڑوں کا منظر بیان کیا ہے۔ پہاڑوں کی بلندیاں وادیوں کا منظر آبشاروں کا گرنا چشموں کا بہنا اور پھولوں کا کھلنا اس نظم کا حصہ ہیں۔ وہ کشمیر کی وادیوں میں قطاروں میں لگے پھول اور درخت اور اس علاقے کے روایتی پھلوں اور پھول کا ذکر بھی کرتے ہیں، ان علاقوں میں درختوں پر آزادانہ پھرتے جانوروں کا بھی ذکر کیا ہے:

سرو و شمشاد ہیں قطار در قطار
ریچھ پھرتے ہیں بن چوکیدار
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور
ایک ہی جست میں وہ پہنچے دور(۱۰)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال(۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) نے بھی زندگی میں متعدد سفر کیے۔ وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو انھیں ہسپانیہ کے وزیر تعلیم آسن کی دعوت پر یونیورسٹی میں لیکچر کے لیے دعوت دی گئی، ہسپانیہ عرصے سے مسلم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ انھوں نے اپنی نظم مسجد قرطبہ اس دوران تحریر کی۔ قرطبہ بھی اسپین کے صوبہ انڈس کا معروف شہر ہے اور مسلمانوں کے دور حکومت میں صدر مقام تھا اس کے قدیم حصے میں مسلمانوں کے فن تعمیر کے نشان آج بھی دکھائی دیتے ہیں، علامہ اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' ان کی سفر کی نظم ہے، اس نظم میں انھوں نے مسلمانوں کی عظیم تاریخ و تہذیب کو اجاگر کیا ہے، انھوں نے ہسپانیہ کے مسلمانوں کی عظمت اور بلندی کو ظاہر کیا ہے، اپنی نظم میں انسان کی زندگی اور عشق کے فلسفے کو بیان کیا اس کے بعد مسلمانوں کی شان و عظمت بیان کی۔ علامہ اقبال نے اس دور کے مسلمانوں کی تہذیب کا نقشہ کھینچا جس دور میں یہ مسجد تعمیر ہوئی یہ مسجد ''عبدالرحمن اول (۷۵۶۔۷۸۸ء) نے جب قرطبہ کو اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا تو یہاں مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی'' اس سے پہلے جہاں عیسائیوں کی عبادت گاہ تھی۔ ''مسلمانوں نے ایک لاکھ دینار کے عوض گرجے کا باقی حصہ بھی خرید لیا اور یہاں مسجد تعمیر کی گئی''۔ اقبال ہسپانیہ کے مسلمانوں کی عظمت بلندی بیان کرتے ہیں، یہی وہ لوگ تھے جس سے اہل یورپ کو علم و فضل اور رہن سہن کے اداب سیکھے تھے۔ ہسپانیہ کے مسلم دور سے ہی یورپ نے اپنے اندر علم کی روشنی کو منور کیا اور انسانی تہذیب کے اعلیٰ ثمرات سے فائدہ اٹھایا ''یورپ نے کانٹے، چھری، نیپکن اور چمچوں کے استعمال سے لیکر طب، جراحی، ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ جیسے علوم و فنون تک ہسپانیہ کے مسلمانوں سے سیکھے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم میں مسلم ہسپانیہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے یہ بتایا کہ آج یورپ جو اعلیٰ تہذیب کا نمونہ پیش کرتا ہے یہ تمام تہذیب انھوں نے مسلمانوں سے حاصل کیں۔ علامہ محمد اقبال نے اپنی نظم مسجد قرطبہ میں لکھا:

جن کی حکومت سے ہے فاش ہر رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ مشرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں(۱۱)

مؤرخین کے مطابق ہسپانیہ کے لوگ تعلیم یافتہ تھے کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو پڑھا لکھا نہ ہو جب کہ یورپ کے چند لوگ ہی پڑھے لکھے تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے یورپ کے لوگوں کو ہسپانیہ کے مسلمانوں نے لکھنا پڑھنا سکھایا اور زندگی گزارنے کے آداب طور طریقے سکھائے۔ یورپ میں جو رہن سہن کے طور طریقے آج بھی موجود ہیں وہ ہسپانیہ کے لوگوں سے ہی سیکھے ہیں۔ ''موجودہ انگریزی ہندسوں، چینی اور شیشے کے ظروف انگریزی بالوں، ٹیڑھی مانگ، سنگھار اور بعض خوشبوجات تک کے لیے یورپ ہسپانیہ کا مرہونِ منت ہے۔ شہروں کی صفائی پانی کی بہم رسائی کے لیے موزوں انتظامات، مکانات کی کشادگی اور ہوا کی ضرورت، سڑکوں کی چوڑائی اور روشن دانوں کی اہمیت، غرض ایک نئے احساس کا سرچشمہ اور منبع بھی اندلسی مسلمان ہیں۔'' ہسپانیہ کے لیے علامہ اقبال نے وہ بھی نظمیں لکھیں جس میں ہسپانیہ کی تاریخ اور تہذیب کے علاوہ وہاں کے عرصہ دراز سے رہنے والے مسلمانوں کی تاریخ کو بیان کیا ہے انھوں نے اس نظم میں مسلمانوں کی شان شوکت، جاہ و جلال، علم و دانش، حکمت و فلسفہ، اور نفاست کو نمایاں کیا۔

اختر شیرانی (۱۹۰۵۔۱۹۴۸ء) نے بھی برسات کے موسم میں سفر کیا اور اپنی نظم ''میسوری جاتے ہوئے'' لکھی۔ ان کی شاعری میں رومانس ہے اس کا اظہار جابجا ملتا ہے۔ اختر شیرانی محبت کے معاملات میں وحدانیت کے قائل نہیں تھے۔ لہٰذا بہت سی نظموں میں محبوباؤں کے نام ملتے ہیں۔ میسوی جاتے ہوئے نظم میں انھوں نے راستے کی منظر نگاری اور علاقوں کی معلومات بھی دی۔ چکبست نے بھی اپنی نظم ''ڈیرہ دون کی سیر'' میں ڈیرہ دون کے شہر کے تمام حالات تحریر کیے، اس علاقے کی منظر کشی کی اور وہاں کے قدرتی موسم کی تعریف کی ہے۔ چکبست (۱۸۸۲۔۱۹۲۶ء) نے اپنی اس سفری نظم میں ڈیر دون کی روایت کا ذکر کیا کہ جو مسافر یہاں آکر قیام کرتا تو اس علاقے کے پہرے دار ہیں ان مسافروں سے ملا کرتے تھے اور انھیں سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ اسی طرح نشاط نے بھی اپنی نظم ''شیلانگ اور کلکتہ'' میں شیلانگ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کیا۔ انھوں نے شیلانگ کے موسم اور ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر کیا ہے اس موسم میں پرندوں کی چہچہاہٹ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ شیلانگ کے بلند و بالا پہاڑ اور وہاں پر اُگنے والے میوہ جات کا ذکر کیا۔ انھوں نے کلکتہ کی گرمی تیز دھوپ کا ذکر کیا۔ کلکتہ میں وبائی امراض، ہیضہ پھوٹنے کا خدشہ کا اظہار بھی انہی نظم میں کیا۔ نشاط نے شیلانگ اور کلکتہ کا موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدات اور نظریات بیان کیا۔ انھوں نے شیلانگ کی روایات اور کلکتہ کی روایات کو بھی اپنی نظم میں پیش کیا۔ نظیر

اکبر آبادی کی نظم "میلے کی سیر" اور اکبر الہ آبادی کی نظم دہلی دربار ۱۹۰۴ء اور دہلی دربار ۱۹۱۲ء، ایسی سفری نظمیں ہیں جن میں انھوں نے جن علاقوں کی سیر کی معلومات کے ساتھ ساتھ انھوں نے ان علاقوں کی روایات وہاں کی تہذیب کو اجاگر کیا۔ میلوں میں ثقافتی رنگ، قسم قسم کی مٹھائیاں بننا، رنگا رنگ بچوں کے جھولے، لوگ گیتوں پر بھنگڑا، ان میلوں کی روایات تھیں نظیر اکبر آبادی نے " میلے کی سیر" میں ان تمام روایات کو اجاگر کیا ہے اور اکبر آبادی نے دہلی کے درباری حالات معاشی و معاشرتی نظام کی نشاندہی کی۔ اکبر الہ آبادی نے دربار ۱۹۰۴ء میں سڑکوں کی حالت شہروں میں جگ مگائی روشنیاں موسم اور پالتوں جانوروں کا ذکر کیا۔ اس وقت مغلیہ دربار انگریزوں کے تحت رواج پا رہے تھے۔ انھوں نے ایک تہذیب کو دوسری تہذیب میں بدلتے دیکھا۔

اوج بھی برٹش راج بھی دیکھا
پر تو تخت و تاج بھی دیکھا
رنگ زمانہ آج بھی دیکھا
رخ کرزن مہاراج بھی دیکھا(۱۲)

ن۔م راشد(۱۹۱۰۔۱۹۷۵ء) بھی ۱۹۱۰ء کو گوجرانوالہ کے قصبہ وزیر آباد میں پیدا ہوئے انھوں نے بھی زندگی کے پینسٹھ سال میں متعدد سفر کیے ہیں اور اپنے مشاہدات، تجربات کو اپنی شاعری میں درج کیا ہے۔ شاعری میں بہت سی جگہوں پر ان کے ایسے اشعار ملتے ہین جن میں وہ اپنے سفر کو یادگار کے طور پر محفوظ کرتے ہیں مگر ان کی یہ نظم "سفر نامہ" ان کے ایک یادگار سفر کے طور پر سامنے آتی ہے۔ نظم "سفر نامہ" اس کے شعری مجموعے **گماں کا ممکن** صفحہ ۳۵۴ پر موجود ہے۔ انھوں نے اپنی اس نظم میں اپنے پاسپورٹ اور روپیہ کی تبدیلی کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ وہ کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس نظم میں وہ کسی کی فرمائش پر ناشتے میں شریک ہونے کے لیے گئے اور خیالی طور پر عشق، حوصلے اور حسرتیں خواب میں سب کچھ سوٹ کیس میں بند کر کے چھوڑ آئے۔ ن۔م۔ راشد نے سفر کو اپنی نظر سے دیکھا اور اپنے مزاج کے مطابق اس سفر نامے کا ذکر کیا ہے انھوں نے غیر ملکی روایات کو بیان کیا اور جہاز کے اندر کی کیفیت کو تحریر کی:

وہ ابھی پاسپورٹ لیے نہ تھے
ابھی ریز گاری کا انتظار تھا
سوٹ کیس بھی ہم نے بند کیے نہ تھے
اُسے ضد کہ نور کے ناشتے میں شریک ہوں(۱۳)

فیض احمد فیض (۱۹۱۲ء۔۱۹۸۴ء) نے بھی سفر کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ وہ ۱۹۱۲ء کو قصبہ کالا قادر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے والد چوہدری سلطان کا تعلق زراعت سے تھا مگر وہ صاحب علم شخصیت تھے۔ چوہدری سلطان کو انگریزی، فارسی، عربی اور اردو پر مہارت تھی۔ فیض احمد فیض کی اڑسٹھ سالہ زندگی میں اسفار بہت زیادہ ہیں۔ انھوں نے پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے بھی سفر کیے۔ نظم "سفر نامہ" ان کے شعری مجموعہ **دستِ تہ سنگ** صفحہ ۲۶ پر موجود ہے۔ انھوں نے اپنی نظم "سفر نامہ" پیکنگ کی ترقی کو اپنے عمیق مشاہدے کی بنا پر رکھا۔ بیکنگ اور سیکنیانگ کے پُر امن معاشرے کو تاریخی تجربات کی روشنی میں دیکھا:

کوئی دل دھڑکے گا شب بھر نہ کسی کے آنگن میں
وہم منحوس پر ندے کی طرح آئے گا
سہم، خونخوار درندے کی طرح آئے گا
اب کوئی جنگ نہ ہوگی مئے ساغر لاؤ
خوں لٹانا نہ کبھی اشک بہا نا ہوگا
ساقیا! رقص کوئی رقصِ صبا کی صورت
مطربا! کوئی غزل رنگ حنا کی صورت(۱۴)

فیض نے اپنے سفر نامے میں چین کے پر امن ماحول کی تصویر بنائی اور خون خرابے خوف کے ختم ہونے کی نشان دہی کی۔ انھوں نے اس نظم میں اُس عہد کو دہرایا جب عوام خوف وہراس میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فیض احمد فیض نے جنگی حالات میں زندگی کے گزرے لمحات اور موجودہ حالات کو یک جا کیا اور معاشرے کے مسائل کا بھی بہ غور مشاہدہ کیا۔ مجید امجد کا تعلق جھنگ صدر (گھیانہ) سے ہے مجید امجد کے نانا کا شمار جھنگ کے صوفیا میں ہوتا ہے۔ مجید امجد کی ساٹھ سالہ زندگی میں بے شمار سفر موجود ہیں جو انھوں نے ملازمت کے سلسلے میں کیے انھوں نے بے شمار چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں کام کیا لیکن ملازمت

زیادہ تر منٹگمری موجودہ ساہیوال میں کی۔ گھریلو ناچاکی کے باعث ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ ساہیوال میں ہی گزرا۔ ان کی سفری نظم "ایک کوہستانی سفر کے دوران" ایسی نظم ہے جسے وہ اپنے سفر کی روداد کے ساتھ اس پہاڑی علاقے کی منظر کشی کی۔ انھوں نے یہ نظم "۱۹۴۸ء/۱۹۴۷ء میں تحریر کی اس میں اپنے عہد کے سیاسی، معاشرتی پس منظر کو بیان کیا، موجودہ دور کے سیاسی منظر کو بوسیدہ اور خمیدہ پیڑ بتایا جس کے دامن میں غیروں کا مانگا ہوا کشکول ہے:

ایک بوسیدہ، خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ
سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں
آہ! ان گردن فروزاں جہاں کی زندگی
اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنھیں حاصل نہیں(۱۵)

باقی شاعروں کی طرح منیر نیازی نے بھی اپنا سفری مشاہدہ اپنی نظم میں پیش کیا ہے۔ منیر کی شاعری میں سفر آخرت کا بھی تصور ہے تاہم منیر نیازی نے کئی جگہوں کے سفر بھی کیے۔ وہ جہد مسلسل کی بات کرتے ہیں انھوں نے معاشرے کے طبقاتی نظام، سماجیات رسمیات کو موضوع بنایا۔:

تھکن سفر کی بدن شل کر گئی منیر
برا کیا تھا جو سفر میں قیام کر بیٹھا(۱۶)

منیر نیازی(۱۹۲۳۔۲۰۰۶ء) کا سفر بھی سیاسی، سماجی معاشرتی مسائل کی تصویر دکھاتا ہے:

"سماج میں مادیت اور زر کی حکومت کے سبب خردے یقینی اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ کوئی شخص قابل بھروسہ نہیں جسے ہم دم بنایا جاسکے چناں چہ معاشرہ کی تہذیبی اور اخلاقی سطح پر مثبت تبدیلیوں کا سفر ممکن ہیں دوسری صورت میں قحط الرجالی کی صورت میں عیاں ہے کہ کوئی راہبر اور رہنما ایسا نہیں جو ملکی و قومی ترقی کے سفر میں رہبری کر سکے بل کہ سفر ہی راستہ بھٹکانے والے لوگ بہ کثرت ملتے ہیں۔"(۱۷)

"ساحل شہر میں ایک رات" میں انھوں نے اپنے سفری مشاہدے کو ایسے بیان کیا۔ روشنیاں ہی روشنیاں اور نوحے تھکے جہازوں کے اور بارش میں جادو کے منظر کھلے قدیم سے جدید شعرا نے اپنے کلام میں بہت سی سفری نظمیں اور سفری اشعار تحریر کیے، کسی جگہ بھی شاعر کلام سفر جیسی علامت سے خالی نہیں رہ

سکا۔ مگر ایسے شعرا کی شاعری اب تک موجود ہیں جنھوں نے سفر کیا اور اپنے سفری مشاہدات و تاثرات کو قلم بند کیے۔

اردو سفر نامے کے نئے امکانات

جدید ٹیکنالوجی نے جہاں دیگر ادبی اصناف پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے وہاں سفر نامہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جدید کیمروں کی مدد سے خارجی مناظر کو لفظوں کے ساتھ تصویری شکل میں بھی متعارف کرایا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن سنٹر کے مختلف چینلز نے پاکستان اور دیگر ممالک کے ناظرین کو گھر بیٹھے سیر کرائی۔ ایک علاقوں کو دوسرے علاقے سے متعارف کرایا، علاقوں کی معلومات کے علاوہ شاہ راؤں، عمارتوں، موسم، آب و ہوا کے ساتھ جڑی تہذیب و ثقافت دریا پہاڑ ان کے نام ان کی تاریخی حیثیت سے بھی آگہی دی جاتی ہے، اس سلسلے کے معروف سفر نامہ نگار مستنصر حسین تارڑ کے ویڈیوز کی شکل میں ٹی وی چینلز اور یوٹیوب پر سفر نامے محفوظ ہیں۔ سسی سے حراموش تک ایک ایسا سفر ہے جس میں مستنصر حسین تارڑ نے کچھ دوستوں کے ساتھ سفر کیا یہ سفر بہت کٹھن راستوں پر تھا۔ ان کی جیپ چھوٹے تنگ اور مشکل راستوں سے ہوتی ہوئی حراموش پہنچتی ہے۔ اسی طرح ٹی وی چینل "آپ" پر بہ عنوان "اگلا سٹیشن" دستاویزی پروگرام پیش کیا گیا۔ یہ پروگرام چائینہ کی ریسرچ سکالر "گاؤلی لوئے" نے کیا۔ چینل "آپ" کا مقصد تھا کہ پاکستان کو کسی غیر ملکی کی نظر سے ناظرین کو دکھایا جائے اس کے پاکستان کے بارے میں نکتہ نظر کو دیکھا جائے اس لیے انھوں نے باقاعدہ آڈیشن کی تشہیر کی۔ مختلف ممالک سے آن لائن آڈیشن لیا گیا اور بڑی سوچ بچار اور جانچ پرکھ کے بعد چائینہ کی ریسرچ سکالر "گاؤلی لوئے" کو منتخب کیا گیا۔ گاؤلی لوئے ۲۰۰۸ء میں پاکستان آئی، پاکستان آنے سے پہلے گاؤلی نے اردو زبان پروفیسر عصمت ناز سے سیکھی۔ چائینہ کی رسم و رواج کے مطابق پروفیسر عصمت ناز نے اپنی شاگرد کا پاکستانی نام زہرہ رکھا۔ وہ پاکستان کو وہ اپنا دوسرا گھر سمجھتی تھی پروفیسر ذوالفقار بھٹی بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان نے اپنے ایک انٹرویو میں گاؤلی کے حوالے سے اپنے تاثرات کو ان لفظوں میں کہا "گاؤلی میں انکساری ہے وہ اپنے مقصد اور کمنٹنٹ میں بہت گہری ہے وہ پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتی ہے گاؤلی ایسی جگہوں پر آسانی سے چلی جاتی ہے جہاں ہر کسی اجنبی کا جانا مشکل ہو" گاؤلی نے چالیس دنوں میں ۵۲۰۰ کلومیٹر کا سفر کیا۔ اس نے ہر پروگرام میں

سفر کے تجربات و مشاہدات کو اپنے زاویہ ء نظر سے بیان کیا۔ جیو ٹی وی پر بھی مختلف علاقوں کی دستاویزی فلمیں چلیں جو انگریزی زبان میں تھی۔

The endless summer	1966
An Idiot Tourist	2012/.2012
Life	2009
Long way Round	2004
DarkTourist	2018

ان عنوانات نے مختلف علاقوں کی سیر کرائی جگ جگ جیئے میرا پیارا وطن کے عنوان سے سوشل میڈیا پہ پیش کیا جانے والا پروگرام جو ملکوں ملکوں گھوماتا ہے، اس ڈاکومنٹری میں مختلف ممالک کی تاریخی اور موجودہ حیثیت دکھائی جاتی ہے۔ علاقائی معلومات کے علاوہ تہذیب و ثقافت سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس طرز کے سفرنامے اپنی نوعیت کے منفرد اور ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو ،(سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۴ء)، جلد اول،۱۸۷۔

(۲) نور الحسن ہاشمی،کلیات ولی،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء)،۳۷۸۔

(۳) ایضاً،۳۷۹۔

(۴) انور سدید، اردو ادب کے سفرنامے،(لاہور:مغربی پاکستان اکیڈمی،۱۹۸۷ء)،۸۶۔

(۵) ایضاً،۸۶۔

(۶) آصفہ ندیم،مرزا غالب کاسفر کلکتہ شورِ قلب و نظر کا موجب، مشمولہ ماہ نو، (جنوری فروری۱۹۹۹ء)،۱۲۔

(۷) خواجہ الطاف حسین حالی، کلیاب نظم حالی، مرتبہ: افتخار احمد صدیقی، (لاہور: مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۸ء)، جلد اول،۴۰۹۔

(۸) ایضاً،۴۱۰۔

(۹) ریاض الدین،انتخاب کلام منیر شکوہ آبادی، (لکھنؤ:اترپردیش اردو اکیڈمی،۱۹۸۶ء)،۹۶۔

(۱۰) محمد اسم سیفی،کلیات اسماعیل، (مکتبہ عالیہ،طبع دوم،۱۹۸۷ء)،۴۹۔

(۱۱) رفیع الدین ہاشمی،اقبال کی طویل نظمیں،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء)،۱۶۸۔

(۱۲) الیاس برنی،مناظر قدرت، (حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ،۱۹۱۲ء)، جلد دوم،۱۰۱۔

(۱۳) ن۔م راشد،کلیات راشد، خالد شرمین،(لاہور:ماورا پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء)،۴۵۳۔

(۱۴) فیض احمد فیض،دست تہہ سنگ،(علی گڑھ،بھارت:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۷۹ء)،۲۵،۲۶۔

(۱۵) وقار احمد رضوی،تاریخ جدید اردو غزل،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن طبع دوم،۲۰۰۲ء)،۲۱۴۔

(۱۶) خواجہ محمد ذکریا، کلیات مجید امجد(تحقیق وتدوین اور ترتیب)، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)،۱۰۳۔

(۱۷) ڈاکٹر سمیرا اعجاز،منیر نیازی شخصیت اور شاعری، (فیصل آباد: مثال پبلشرز،۲۰۱۴ء)،۳۶۔

BIBLIOGRAPHY

- Anwar Saded, *Urdū Adab k Safarnāmen*, (Lahore: Magrabi Pakistan Academy, 1987).
- Asfia Nadeem, Mirza Ghalib ka Safar Kalkta shor Qalb o Nazar ka moajab, (Incl.) *Mah-e Nou*, (January/ Feburary:1999).
- Faiz Ahmad Faiz, *Dasat Tah-e Sang*, (Ali Garh: Educational book House, 1979).
- Ilyas Barni, *Manāzar-e Qudrat*, Vol. 2, (Hader Abad Dakkan: Jameia Usmaneia, 1912).
- Jameel Jalbi, *Tarīkh-I Adab-e Urdū*, (Lahore: Sang-e meel publication 1994).
- Khawaja Muhammad Zekaria (Comp.), *Kuliyāt-i Majīd Amjad*, (Lahore: Sang-e meel publication, 2004).
- Khwaja Altaf Hussain Haali, *Kuliyāt-i Nazm-e Hālī*, (Comp.) Iftkhar Ahmad Sadiqi, (Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Adab,1968)
- Muhammad Ism Saifi, *Kuliyāt-i Ismaeīl*, (Maktba Aleia 1987).
- Noon Mem Rashid, *Kuliyāt-i Rāshid*, (Lahore: Mawra Publictions, 1988).
- Noor al-Hasan Hashmi, *Kuliyāt-i Valī*, (Lahore: Sang-e meel publication 1985).
- Rafih al-Deen Hashmi, *Iqbāl kī Tavīl Nazmen*, (Lahore: Sang-e meel publication 2009).
- Riaz al-Deen, (Comp.) *Intekhab-e Munīr Shikwah Abadi*, (Lakhnaw:Utar Pardaish,1886).
- Sumaira Ijaz, *Munīr Niāzī Shakhsiat aur Shā'rī*, (Faisalabad: Misal Publisharz, 2014).
- Waqar Ahmad Rizwi, *Tarīkh-i Jadīd Urdū Ghazal*, (Islam Abad: National Book Foundation, 2002).

❖❖❖